© rasailojaraid.com

پاکستان میں علمائے کرام کی آئینی و پارلیمانی جدوجہد

۱۹۷۳ء کے آئین کا خصوصی مطالعہ

مجیب احمد

قیام پاکستان (اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد دستور سازی کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پیچیدہ اور حساس معاملہ ابھر کر سامنے آیا۔ تحریک پاکستان کے آخری دور میں بعض رہنماؤں کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ پاکستان "اسلام" کے نام پر قائم کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے تحریک پاکستان کے اس فیصلہ کن اور اہم موڑ پر مذہبی ذہن رکھنے والوں کی واضح اکثریت نے اپنا وزن، پاکستان کے حق میں ڈال دیا۔ مذہبی قیادت روایتی طور پر علمائے کرام اور مشائخ عظام کے ہاتھوں میں تھی۔ قیام پاکستان کے بعد علمائے کرام کو امید واثق تھی کہ "اسلام" کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو گا لیکن صورت حال اس کے برعکس ہوئی۔ اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے علمائے کرام اور مختلف دینی جماعتوں نے حکومت پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ملکی قوانین کو قرآن و سنت کی روشنی میں از سر نو وضع کرے۔ ۷ مئی ۱۹۴۸ء کو مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان اور جمعیت المشائخ کے زیر اہتمام یوم شریعت منایا گیا اور اسلامی آئین کے جلد نفاذ کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔[۱] چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد منظور کی جو، پاکستان میں آئین سازی کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ وسط اپریل میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم کی گئی تاکہ وہ آئین کے بنیادی اصولوں کو مرتب کرے۔ کمیٹی نے اپنے کام کو بہتر بنانے کے لئے کئی ذیلی مجالس کے علاوہ، تعلیمات اسلامیہ کا ایک بورڈ بھی نامزد کیا تاکہ آئین کے بنیادی اصولوں کو وضع کرنے میں، یہ کمیٹی کی رہنمائی کرے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کردہ عبوری رپورٹ منظور کر لی۔ اگرچہ رپورٹ میں تجویز کیا گیا تھا کہ قرار داد مقاصد کو ملکی آئین سازی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنما اصول مانا جائے' تاہم رپورٹ کی دوسری شقوں سے علمائے کرام مکمل طور پر مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ ۲۱ نومبر کو اس رپورٹ کو واپس لے لیا گیا اور ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ آئین کے اسلامی اصولوں کے مرتب کرنے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رہنمائی کرے۔ اسی دوران جنوری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں اکتیس علمائے کرام' جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے تھا' کا اجلاس ہوا۔ اجلاس نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے متفقہ طور پر بائیس نکات منظور کئے۔ جن کو بعد ازاں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی قائم کردہ ذیلی کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔ ۱۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو جمعیت علمائے اسلام پاکستان (۱۹۴۵ء) کے زیر اہتمام ڈھاکہ میں نظام اسلام کانفرنس ہوئی۔ شرکائے کانفرنس نے غیر اسلامی آئین کے نفاذ کو ہر ممکن طریقے سے روکنے کا اعلان کیا۔[۲] ۲۲ دسمبر کو بنیادی اصولوں کی حتمی رپورٹ' جس میں علمائے کرام کے بائیس نکات کو خاص اہمیت دی گئی' پر غور و خوض کرنے کے بعد مرکزی جمعیت علماء پاکستان نے چند ترامیم پیش کیں اور مطالبہ کیا کہ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی بنیادوں پر جلد از جلد آئین نافذ کیا جائے۔[۳] ۱۱- ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں منعقدہ علماء کنونشن نے رپورٹ پر تفصیلی غور و خوض کیا۔ علمائے کرام نے اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام کے لئے متعدد تجاویز پیش کیں اور مطالبہ کیا کہ سپریم کورٹ میں پانچ علماء پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے' جو دیگر ججوں کے ساتھ مل کر خلاف شریعت قوانین کا جائزہ لے۔[۴] مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان کے نمائندوں' مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری (۱۸۹۶ء-۱۹۶۱ء) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۹۰۰ء-۱۹۷۰ء)' نے علماء کرام کے بورڈ کی بجائے قاضیوں کے تقرر کی تجویز پیش کی۔[۵]

وسط اپریل ۱۹۵۳ء میں عبوری آئین کا مسودہ تیار کرنے کی کوشش کی گئی' تاہم ملک کی مختلف دینی جماعتوں اور سابقہ مشرقی پاکستان کی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی مخالفت کی وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کردہ آئینی رپورٹ منظور کر لی۔ مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان نے اس رپورٹ پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ ملکی آئین کو قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی بنیاد پر مرتب کیا جائے۔[۶] تاہم جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی رائے اس کے بالکل برعکس تھی۔ جمعیت نے رپورٹ پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور جماعت اسلامی پاکستان کے تعاون سے جمعیت نے ۲۲ اکتوبر کو "یوم دستور اسلامی" منایا اور ۲۵ دسمبر تک آئین کے نفاذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مطالبہ کیا۔[7] لیکن اس سے پہلے کہ دستور ساز اسمبلی آئینی رپورٹ منظور کرتی' ۲۴ اکتوبر کو اسے توڑ دیا گیا۔ جس کے خلاف علمائے کرام نے شدید احتجاج کیا۔ جولائی ۱۹۵۵ء کو نئی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ جس کے ساتھ ہی علمائے کرام نے اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے اپنی کوششوں کو ازسرنو شروع کیا۔

۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کو مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان کی اپیل پر پورے ملک میں اسلامی آئین کے فوری نفاذ کے مطالبے کے حق میں مظاہرے کیے گئے۔[8] ۱۰ - ۱۲ دسمبر کو لاہور میں جمعیتہ کے زیر اہتمام آل پاکستان سنی کانفرنس ہوئی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ اسلامی دستور نافذ کیا جائے' اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا جائے' قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ بنایا جائے اور ملک کا سربراہ لازمی طور پر مسلمان ہو۔[9]

۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو دستور ساز اسمبلی میں آئینی بل پیش کیا گیا۔ جس کا تمام دینی جماعتوں نے اصولی طور پر خیر مقدم کیا۔ تاہم ۱۰ جنوری کو مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان نے ایک کمیٹی بنائی جس کے ذمہ آئینی بل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لینا اور تجاویز مرتب کرنا تھا۔ کمیٹی کی اہم ترین تجاویز' جداگانہ طریقہ انتخاب اپنانا اور آئینی بل کا اسلامی (حنفی) تشخص برقرار رکھنا تھیں۔[10] ۸ فروری کو ڈھاکہ میں "کل جماعتی کمیٹی برائے دستور اسلامی" کے تحت علمائے کرام اور مشائخ عظام کا کنونشن ہوا' جس میں مختلف دینی جماعتوں کی مرتب کردہ تجاویز پر غور و خوض کیا گیا اور ان کے بارے میں متفقہ موقف کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا جائے' صدر مملکت ہمیشہ مسلمان ہو اور جداگانہ طرز انتخاب کو بحال رکھا جائے۔[11] ۲۳ مارچ کو جب پاکستان کے پہلے دستور کا نفاذ ہوا تو دینی جماعتوں نے اس کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس میں' ان کی مرتب کردہ متعدد تجاویز کو شامل کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ علمائے کرام ۱۹۵۶ء کے آئین سے مطمئن تھے لیکن انہوں نے اس کی اصل روح کے مطابق اس پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ یکم - ۳ دسمبر کو لاہور میں مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان کے تحت آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ایک قرار داد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ آئین کی دفعہ ۱۹۸ (۳) کے تحت علماء بورڈ تشکیل دیا جائے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے۔[12] ۲ - ۳ دسمبر کو لاہور ہی میں مرکزی جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان (اکتوبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۵۶ء) کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں تجویز پیش کی گئی کہ پارلیمنٹ کا انتخاب قرآن و سنت کے احکام کے مطابق عمل میں لایا جائے، جداگانہ طریقہ انتخاب رائج کیا جائے اور غیر مسلموں کو پارلیمنٹ میں نمایندگی نہ دی جائے۔[۱۳]

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مارشل لاء کے نافذ ہونے کے بعد، ۱۹۵۶ء کے آئین کو ختم کر دیا گیا، سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی، سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو یا تو گرفتار کر لیا گیا یا نااہل قرار دے دیا گیا۔ اس دوران دینی جماعتوں کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے کھلا میدان میسر آ گیا کیونکہ ان جماعتوں کے قائدین نے محراب و منبر کے ذریعے عوام سے اپنا رابطہ قائم رکھا۔ فروری ۱۹۶۰ء میں نئے آئین کی تشکیل کے لئے ایک کمیشن قائم ہوا۔ جس نے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے چالیس نکاتی سوالنامہ جاری کیا۔ سوالنامے کا جواب دیتے ہوئے، جمعیتہ العلماء پاکستان صوبہ مغربی پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید شاہ کاظمی (۱۹۱۳ء-۱۹۸۶ء) نے واضح کیا کہ آئین کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم ہونی چاہئے اور ایک مدت مقرر کی جائے جس سے پہلے پہلے تمام غیر اسلامی قوانین کو قرآن و سنت کی روشنی میں وضع کر لیا جائے۔ مولانا کاظمی نے سربراہ مملکت کا مسلمان مرد ہونا لازمی قرار دیا۔[۱۴] کل پاکستان مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے تحت لاہور میں جامعہ اشرفیہ میں انیس جید علمائے کرام کے اجلاس میں سوالنامے پر غور کیا گیا۔ اجلاس نے صدارتی نظام کی بجائے پارلیمانی نظام اور ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کی حمایت کی۔ اجلاس نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ جنوری ۱۹۵۱ء میں مرتب کردہ علمائے کرام کے بائیس نکات کو آئین کے رہنماء اصولوں کا درجہ دیا جائے۔[۱۵] نظام العلماء کے چالیس علمائے کرام نے صدارتی یا پارلیمانی نظام کی بجائے اسلامی طرز حکومت کی حمایت کی اور مجلس شوریٰ اور امیر مجلس شوریٰ کے عہدہ کو قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔[۱۶]

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو جو آئین نافذ کیا گیا اس نے آئینی کمیشن کی مرتب کردہ تمام سفارشات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ علمائے کرام اس نئے آئین سے پوری طرح مطمئن نہ ہونے کے باوجود اس کے سرگرم مخالف بھی نہ تھے۔ تاہم محکمہ اوقاف کا قیام (۱۹۶۱ء) اور مسلم فیملی لاز آرڈیننس (مارچ ۱۹۶۱ء) کا اجراء، علمائے کرام اور صدر جنرل محمد ایوب خان کے درمیان ہمیشہ وجہ تنازعہ بنا رہا۔

مارچ ۱۹۶۹ء میں جنرل آغا محمد یحییٰ خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان بن گئے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ہی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی جو عام انتخابات کے انعقاد کے لئے یکم جنوری ۱۹۷۰ء سے اٹھا لی گئی۔ ملکی تاریخ کے پہلے عام انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء کو ہوئے اور اس طویل ترین انتخابی مہم میں اسلام اور اشتراکیت باہم متصادم رہے۔ جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) اور جمعیت علماء پاکستان (محمود شاہ گجراتی گروپ) کے سوا تمام دینی جماعتوں نے اپنے اپنے نظریہ کے مطابق اسلامی نظام حیات کی تشریح کی اور اس کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد کرنے کا عزم کیا اور عوام سے ان جماعتوں کو کامیاب کرانے کی پرزور اپیل کی۔ ان دینی اور دائیں بازو کی جماعتوں نے اسلام کے سوا' ہر قسم کے ازم کو یکسر مسترد کر دیا اور ملک کو فلاحی اسلامی ریاست بنانے کا اعلان کیا۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں جب لیگل فریم ورک آرڈر کا نفاذ ہوا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ' پاکستان کی علاقائی سالمیت' قومی وحدت اور اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کا عزم کیا گیا تو' دینی جماعتوں کو اس سے بہت سہارا ملا اور انہوں نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ ان اصولوں کو آئینی تحفظ دیا جائے۔[17] جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی صدر خواجہ محمد قمرالدین سیالوی (۱۹۰۶ء – ۱۹۸۱ء) نے اپنی انتخابی تقاریر میں متعدد بار اس بات کا اعلان کیا کہ اگر صدر پاکستان' مارشل لاء آرڈیننس کے ذریعے اسلامی آئین کے نفاذ کا اعلان کر دیں تو ان کی جماعت' انتخابات سے دستبردار ہو جائے گی۔[18] اگرچہ دائیں بازو اور دینی جماعتوں کا واحد مقصد' ووٹ کی طاقت سے اشتراکی نظام کی حامی جماعتوں کا راستہ روکنا اور ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ کرنا تھا' لیکن دینی جماعتوں کے باہمی اختلافات' جس میں شخصیات کا باہمی ٹکراؤ زیادہ نمایاں تھا' کی وجہ سے یہ جماعتیں انتخابات میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ تین سو کے ایوان میں یہ صرف اٹھارہ نشستیں جیت سکیں۔[19] قومی اسمبلی میں دینی جماعتوں کی نمائندگی موثر نہ ہونے کے باوجود' انہوں نے اکثریتی جماعتوں' عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ لیگل فریم ورک آرڈر میں وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں آئندہ کے ملکی آئین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کریں۔ جمعیت علماء پاکستان نے اسلامی آئین کی تشکیل کے لئے پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دینے کے ساتھ ساتھ اکثریتی جماعتوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے رابطہ عوام مہم کا آغاز کر دیا۔[20] ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں ملک کے سیاسی حالات اور آئین سازی کے لئے اسلامی نظام کی حامی جماعتوں سے تعاون پر غور کیا گیا اور اس سلسلے میں مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کی سربراہی میں سات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکنی آئینی کمیٹی بنائی جو اسلام پسند ارکان اسمبلی کے تعاون سے متفقہ دستوری تجاویز مرتب کرے گی۔ اجلاس کے شرکاء نے اسلامی آئین کو ملکی سالمیت کے لئے ضروری قرار دیا اور دھمکی دی کہ اگر اسمبلی نے قرآن و سنت کی بنیاد پر آئین مرتب نہ کیا تو جمعیت کے ارکان بطور احتجاج مستعفی ہو جائیں گے۔[۲۱]

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتائج کے مطابق مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اکثریتی جماعت بن کر ابھری تھی جبکہ پیپلز پارٹی کو سابقہ مغربی پاکستان سے اکثریت حاصل ہوئی۔ تاہم مجموعی طور پر عوامی لیگ کو اکثریت حاصل رہی۔ لیکن اس کے باوجود اسے اقتدار منتقل نہ کیا گیا۔ جس سے کئی سیاسی، آئینی اور انتظامی مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ دینی جماعتوں کے نزدیک ان مسائل کا حل اسلامی آئین کا نفاذ تھا تاہم جو نتیجہ سامنے آیا وہ سقوط ڈھاکہ کی شکل میں تھا۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور ۲۰ دسمبر کو ذوالفقار علی بھٹو نے صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے مغربی پاکستان سے "نئے پاکستان" بن جانے والے حصے کا اقتدار سنبھال لیا۔

جنوری ۱۹۷۲ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں دائیں بازو کی جماعتوں کے اراکین کا ایک اجلاس کراچی میں ہوا۔ جس میں مارشل لاء ختم کرنے اور قومی اسمبلی کے اجلاس کے فوری انعقاد کا مطالبہ کیا گیا۔[۲۲] ۲۷ مارچ کو سرگودھا میں جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ قرآن و سنت کے مطابق عبوری اور مستقل آئین بنایا جائے۔[۲۳] قومی اسمبلی میں جمعیت علمائے اسلام کے پارلیمانی رہنما مفتی محمود نے بھی قومی اسمبلی کا اجلاس جلد بلانے اور آئین کو قرآن و سنت کی بنیاد پر مرتب کرنے کا مطالبہ کیا۔[۲۴]

"نئے پاکستان" میں دستور سازی کی ابتداء ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء سے ہوئی جب اسمبلی میں عبوری آئین کا مسودہ پیش ہوا تو دینی جماعتوں کے علاوہ حزب اختلاف کی دیگر جماعتوں نے بھی اس مسودے کو مسترد کر دیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مارشل لاء کو ختم کیا جائے اور جمہوریت بحال کی جائے۔ قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد صدر ذوالفقار علی بھٹو نے عبوری آئین کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا۔ جس کو اسمبلی نے ۱۷ اپریل کو منظور کر لیا۔ اس طرح ۲۱ اپریل کو ملک سے مارشل لاء ختم کر دیا گیا اور مستقل آئین کی تیاری کے لئے پچیس رکنی کمیٹی قائم کی گئی جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے ارکان اسمبلی کے علاوہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، جمعیت علمائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی طرف سے مفتی محمود اور جماعت اسلامی کی طرف سے پروفیسر عبدالغفور احمد شامل تھے۔ جمعیت علماء پاکستان کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر مولانا نورانی نے کمیٹی کی کاروائیوں میں باقاعدگی سے حصہ لیا اور اس بات پر زور دیا کہ مستقل آئین کی بنیاد قرآن و سنت اور علمائے کرام کے جنوری ۱۹۵۱ء میں مرتب کردہ بائیس نکات پر رکھی جانی چاہیے۔[۲۵] عبوری آئین کے مسودے پر اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نورانی نے اسلامی دفعات پر سخت تنقید کی اور کہا کہ مسودے میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ ملک کو کس تاریخ تک بینکوں کے سود، شراب، نائٹ کلبوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے نجات مل جائے گی۔ اس لئے حکومت نے عبوری آئین کے مسودے میں جو اسلامی دفعات شامل کی ہیں ان کا مقصد فوت ہو گیا ہے۔ مولانا نورانی نے مسودے کو اسلامی روح کے منافی قرار دیا۔[۲۶] جمعیت علمائے اسلام کے مولانا غلام غوث ہزاروی (۱۸۹۶ء - ۱۹۸۱ء) نے اپنی تقریر میں اس بات پر تنقید کی کہ عبوری آئین کے مسودے میں قرآنی اوامر و نواہی کو تحفظ نہیں دیا گیا جب کہ اس کے برعکس خلاف شریعت عائلی قوانین کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔ مولانا ہزاروی نے ملک کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے کا مطالبہ کیا اور خیال ظاہر کیا کہ صرف زبانی اسلام سے کچھ حاصل نہ ہو گا بلکہ اسلامی تعلیم و تربیت کا حقیقی انتظام کرنا ہو گا۔[۲۷] مفتی محمود نے اپنی تقریر میں خیال ظاہر کیا کہ عبوری آئین پاکستان کے حقیقی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ آئین میں ملک کا نام تو اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا ہے مگر بنظر عمیق دیکھنے سے بھی اسلام کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ مفتی محمود نے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے اور قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تاہم انہوں نے عائلی قوانین کو تحفظ اور ارتداد کی اجازت دینے کی مخالفت کی۔[۲۸] جماعت اسلامی کے محمود اعظم فاروقی نے مسودے پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا مستقل آئین اسلامی، جمہوری اور پارلیمانی ہونا چاہیے۔[۲۹]

مولانا شاہ احمد نورانی پاکستان کی پارلیمانی اور آئینی تاریخ کے پہلے سیاست دان ہیں جنھوں نے اسمبلی میں مطالبہ کیا کہ آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے۔ وزیر اطلاعات اور حج و اوقاف کوثر نیازی (۱۹۳۴ء- ۱۹۹۴ء) نے دعویٰ کیا کہ علمائے کرام مسلمان کی متفقہ تعریف پر کبھی متفق نہیں ہو سکتے اور اگر وہ متفقہ تعریف ایوان میں پیش کر دیں تو حکومت اسے منظور کر لے گی۔[۳۰] کوثر نیازی کے اس چیلنج کے جواب میں مولانا نورانی، مولانا محمد عبدالستار خان نیازی، مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا سید محمد علی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رضوی اور مولانا عبدالمصطفےٰ الازہری (۱۹۱۸ء - ۱۹۸۹ء) نے مسلمان کی تعریف مرتب کی اور جمعیت علمائے اسلام کے اراکین قومی اسمبلی مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبد الحکیم (م - ۱۹۹۱ء) کی منظوری کے بعد، جمعیت علمائے اسلام کے رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالحق (م - ۱۹۸۸ء) نے اسے ایوان میں پیش کیا۔ علمائے کرام کی تعریف کے مطابق مسلمان وہ ہے جو

> اللہ تعالیٰ کی واحدنیت، اس کی نازل کردہ کتابوں خصوصاً قرآن حکیم، روز حشر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آخری نبی اور رسول مانتا ہو۔[۳۱]

آئین سازی کے لئے قائم کردہ کمیٹی میں بھی مولانا نورانی نے پہلی ترمیم مسلمان کی تعریف اور ریاست کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے سے متعلق پیش کی۔ جمعیت علماء پاکستان نے حزب اختلاف کی دیگر جماعتوں کے تعاون سے آئین کی ۲۸۰ دفعات میں ۲۰۸ ترامیم پیش کیں۔[۳۲] ان ترامیم میں اہم یہ تھیں: صدارتی نظام کی جگہ پارلیمانی نظام حکومت کا نفاذ، عبوری آئینی مسودے کی اسلامی دفعات کو قانونی تحفظ دینا اور مرتد کی سزا موت قرار دینا۔[۳۳]

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو حکومت اور حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کے درمیان مستقل آئین کے بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ ہو گیا۔ آئینی سمجھوتے پر مفتی محمود، پروفیسر عبدالغفور احمد اور مولانا نورانی نے بھی دستخط کئے اور سمجھوتے کے مندرجات کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ مولانا نورانی نے سمجھوتے کے بارے میں کہا کہ "آئین کے جن بنیادی اصولوں کے بارے میں تصفیہ ہوا ہے اگرچہ وہ سب کے سب قابل تعریف ہیں لیکن اسلامی دفعات اور خاص طور پر صدر مملکت کے لئے مسلمان ہونے کی لازمی شرط بہت اطمینان بخش ہے"۔[۳۴] آئینی سمجھوتے پر دستخط کرنے کے باوجود دینی جماعتوں نے آئین کو مزید اسلامی رنگ دینے کے لئے اپنے دباؤ کو جاری رکھا اور غیر اسلامی آئین کے خلاف تحریک چلانے اور اسے نامنظور کرنے کا برابر اعلان کرتی رہیں۔[۳۵]

آئینی کمیٹی نے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ء کو اپنی حتمی رپورٹ قانون ساز اسمبلی میں پیش کی۔ مولانا نورانی نے اس پر اختلافی نوٹ لکھا۔ مفتی محمود نے، چند نکات کے سوا، اس اختلافی نوٹ سے اتفاق کیا۔ اس اختلافی نوٹ میں مولانا نورانی نے جداگانہ طریقہ انتخاب کی حمایت کی، تمام ناجائز مال و دولت کو ضبط کر لینے کی تجویز پیش کی اور صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے درمیان توازن پیدا کرنے کی ضرورت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زور دیا۔[۳۶] ۳۰ جنوری ۱۹۷۳ء کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اپنی نشری تقریر میں مولانا نورانی نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ اکتوبر ۱۹۷۲ء کے آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کر رہی ہے کیونکہ اسمبلی میں جو مسودہ آئین پیش کیا گیا ہے وہ اس سمجھوتے کے صریحاً خلاف ہے۔ سمجھوتے میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے تو اب اس کے نفاذ کے لئے قانون سازی کی ضرورت ہے۔ لیکن اسلام کے نفاذ اور تمام غیر اسلامی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور ان کو موثر طور پر نافذ کرنے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے۔[۳۷] مجوزہ اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں مولانا نورانی نے کہا کہ یہ غیر موثر ارادہ ہے کیونکہ اس کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور وہ بھی اگر حکومت چاہے تو ورنہ اسے از خود کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دینے کا اختیار نہیں۔ مولانا نورانی نے ارتداد کی سزا مقرر نہ کرنے اور غیر اسلامی قوانین کو چیلنج نہ کر سکنے پر بھی سخت تنقید کی اور خیال ظاہر کیا کہ آئینی سمجھوتے میں جو دفعات' اسلام اور اسلامی قوانین کے لئے رکھی گئی تھیں۔ ان کو آئینی سمجھوتے کے بعد دستوری مسودہ تیار کرتے وقت بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ' حکومت کا اسلامی آئین کے نفاذ سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔[۳۸] ۳ مارچ کو جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام' "یوم اسلامی دستور" منایا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ مسودہ آئین کو جمہوری اور اسلامی رنگ دیا جائے اور مستقل آئین کی منظوری کے بعد ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں۔[۳۹]

شیخ محمد رشید وزیر صحت' سماجی بہبود و خاندانی منصوبہ بندی اور ڈپٹی لیڈر آف دی ہاؤس نے معیشت کو اشتراکی نظام کی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے آئین میں شق شامل کرانے کی کوشش کی تو ملک کی تمام دینی جماعتوں نے اس کوشش کی سخت مخالفت کی اور اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ اس سخت مخالفت کی وجہ سے شیخ محمد رشید کو اپنی شق واپس لینی پڑی۔[۴۰] مولانا محمد ذاکر (۱۹۰۴ء - ۱۹۷۶ء) رکن قومی اسمبلی کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "الجامعہ" کے نزدیک ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ شق بھی ہونی چاہئے کہ اگر کوئی پاکستانی مسلمان آئین میں کوئی غیر اسلامی یا غیر جمہوری شق دیکھے تو اس کو عدالت میں چیلنج کر سکے۔[۴۱]

حکومت کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے کے لئے ۱۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو راولپنڈی میں حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا اجلاس ہوا۔ جس میں بعض آزاد ارکان اسمبلی نے بھی شرکت کی۔ شرکائے اجلاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے متحدہ جمہوری محاذ کی تشکیل کا فیصلہ کیا- محاذ میں دیگر جماعتوں کے علاوہ جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی بھی شامل تھیں- محاذ نے ایک بارہ نکاتی پروگرام جاری کیا جس کا دوسرا نکتہ اسلامی، جمہوری اور وفاقی آئین کی تشکیل کے بارے میں تھا- محاذ نے ایک دس رکنی کمیٹی بنائی تاکہ وہ حکومتی مسودہ آئین کا جائزہ لے اور حزب اختلاف کے نکتہ نظر سے اس میں ضروری ترامیم تجویز کرے-[۴۲] کمیٹی نے اپنی تجاویز و ترامیم کو حتمی شکل دینے کے بعد ۱۶ مارچ کو حکومت کو پیش کر دیں- حکومت کی طرف سے جواب نہ ملنے اور ۲۳ مارچ کے سانحہ راولپنڈی، کہ جب متحدہ جمہوری محاذ کے جلسہ عام پر پولیس فائرنگ سے ایک درجن کے قریب افراد ہلاک اور کئی زخمی ہوئے، کے بعد محاذ نے قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا- جس پر حکومت نے محاذ کی بعض تجاویز منظور کر لیں اور جواباً" محاذ نے بھی اسمبلی کا بائیکاٹ ختم کر دیا-[۴۳] اس طرح ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی نے مستقل آئین منظور کر لیا جو ۱۴ اگست سے نافذ العمل ہونا تھا- جمعیت علماء پاکستان نے آئینی بل کی حتمی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا- ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نورانی نے کہا کہ کیونکہ جمعیت کو آئینی بل کی تمام شقوں سے اتفاق نہیں تھا- اس لئے ہم نے اس کے حق میں ووٹ نہیں دیا- مولانا نورانی کے خیال میں آئین میں دینی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے اسلامی رخ کا تعین تو ہو گیا ہے مگر ابھی اس آئین کو مکمل طور پر اسلامی اور جمہوری آئین بنانا ہو گا- انہوں نے اپنی جماعت کے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم اس آئین کو مکمل اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد جاری رکھیں گے-[۴۴] جمعیت علماء پاکستان کے نزدیک ایسا آئین اسلامی نہیں ہو سکتا جس میں اسلامی دفعات کو عدالتی تحفظ نہیں دیا گیا ہو، مسلمان کو ارتداد کی اجازت ہو، عائلی قوانین جیسے غیر اسلامی قانون کو تحفظ دیا گیا ہو اور صدر اور وزیراعظم کی طرح مسلح افواج کے سربراہ کے لئے مسلمان ہونا لازمی قرار نہ دیا گیا ہو اور نہ ہی ایسا آئین جمہوری ہو سکتا ہے جس میں مارشل لاء کے بعض قوانین کو تحفظ دیا گیا ہو- اس لئے جمعیت نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا- تاہم جمعیت نے مطالبہ کیا کہ آئین کو ۱۴ اگست کی بجائے ۱۲ ربیع الاول کے مبارک دن پر نافذ کیا جائے-[۴۵]

اگرچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں اب تک بارہ ترامیم کی جا چکی ہیں- لیکن ستمبر ۱۹۷۴ء کو جو دوسری ترمیم کی گئی وہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہ براہ راست دینی جماعتوں اور علمائے کرام کے دباؤ کا نتیجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ عقیدہ ختم نبوت اسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن و حدیث' آثار صحابہ اور اجماع امت کے تحت' اس عقیدے کا منکر' مرتد اور واجب القتل ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مرزا غلام احمد (۱۸۳۹ء - ۱۹۰۸ء) نے ۱۹۰۱ء میں دعویٰ نبوت کیا اور اس کو نہ ماننے والوں کو "غیر مسلم" قرار دیا۔ اس پر تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکاروں کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے' علمائے کرام نے عقلی اور نقلی دلائل سے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو غلط ثابت کیا اور قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو آئینی اور قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے بھرپور تحریک چلائی۔ لیکن ان کی سالہا سال کی کوششیں' ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اس وقت رنگ لائیں' جب پاکستان کی پارلیمنٹ نے دو ماہ سے زائد عرصہ تک بحث کرنے کے بعد' مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکاروں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

۲۸ اپریل ۱۹۷۳ء کو آزاد جموں و کشمیر کی دستور ساز اسمبلی نے قادیانیوں کو ریاست میں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ جس کا پاکستان بھر میں زبردست خیر مقدم کیا گیا اور اسی طرح کا فیصلہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر' نشتر میڈیکل کالج' ملتان کے طلبہ پر' جو تفریحی دورے سے بذریعہ ٹرین پشاور سے واپس جا رہے تھے' ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے کی وجہ سے چند قادیانیوں نے حملہ کر دیا۔ جس سے متعدد طلبہ شدید زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ کے خلاف پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ ۹ جون کو ملک کی اٹھارہ دینی' سیاسی اور طلبہ تنظیموں پر مشتمل "مجلس عمل برائے تحفظ ختم نبوت" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے مولانا سید محمد یوسف بنوری (۱۹۰۸ء - ۱۹۷۷ء) صدر اور جمعیت علماء پاکستان کے مولانا محمد عبدالستار خان نیازی نائب صدر اور جمعیت ہی کے علامہ سید محمود احمد رضوی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ مجلس عمل میں دیگر جماعتوں کے علاوہ جمعیت علماء پاکستان' جمعیت علمائے اسلام' جماعت اسلامی' مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان' جمعیت اہل حدیث اور مجلس احرار اسلام شامل تھیں۔ مجلس عمل کے بنیادی مطالبات یہ تھے۔ (الف) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے' (ب) ان کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ (ج) ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور (د) ربوہ ریلوے اسٹیشن کے واقعہ کے ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ مجلس عمل نے ان مطالبات کو فوری طور پر تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ۱۴ جون کو ملک گیر ہڑتال کی اپیل کی۔[۴۶]

مجلس عمل نے اپنے مطالبات کے حق میں قومی اسمبلی کے اندر اور باہر اپنی قوت کا مظاہرہ جاری رکھا۔ پوری قوم ان مطالبات کے تسلیم کئے جانے کے حق میں تھی۔ چنانچہ ۱۱ جون سے مجلس عمل کی اپیل پر قادیانیوں کے اقتصادی اور سماجی بائیکاٹ کا آغاز ہوا۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۳ جون کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اپنی نشری تقریر میں قادیانی مسئلہ حل کرانے کا وعدہ کیا اور اپیل کی کہ ۱۴ جون کو ہڑتال نہ کی جائے۔ لیکن مجلس عمل نے دباؤ برقرار رکھنے کے لئے ہڑتال کی دوبارہ اپیل کی جو نہایت کامیاب رہی۔ اس دوران ۲۰ جون کو سرحد اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرار داد منظور کی۔[۴۷] متحدہ جمہوری محاذ نے بھی مجلس عمل کے مطالبات کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ۱۶ جون کو لائل پور (اب فیصل آباد) میں مجلس عمل کے ایک اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ اگر وزیراعظم بھٹو رائے عامہ کے فیصلہ کو نہیں مان سکتے تو مستعفی ہو جائیں۔ مجلس عمل نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے قرار داد کی بجائے، اسمبلی میں آئینی ترمیمی بل پیش کرنے یا صدارتی آرڈیننس کے اجراء کا مطالبہ کیا۔[۴۸]

۳۰ جون کو مولانا نورانی نے قومی اسمبلی میں ایک قرار داد پیش کی تاکہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے اور اس سلسلے میں آئین میں مناسب ترمیم کی جائے۔ اس قرار داد پر حکومت اور حزب اختلاف کے سینتیس ارکان اسمبلی نے تائیدی دستخط کئے۔ تاہم جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم نے قرار داد پر دستخط نہیں کئے۔[۴۹] اسمبلی میں پیش کردہ قرار داد کا متن ہے۔

جناب اسپیکر
قومی اسمبلی پاکستان

محترمی!

ہم حسب ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں!

ہر گاہ کہ یہ ایک مکمل مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعوی کیا، نیز ہر گاہ کہ نبی ہونے کا اس کا جھوٹا اعلان، بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوششیں' اسلام کے بڑے بڑے احکام کے خلاف غداری تھی۔

نیز ہرگاہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔

نیز ہرگاہ کہ پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکورہ کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما کسی بھی صورت میں گردانتے ہوں' دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

نیز ہرگاہ کہ ان کے پیروکار' چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے' مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کرکے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں' جو مکہ المکرمہ کے مقدس شہر میں رابطہ العالم الاسلامی کے زیر انتظام ۶ اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء کے درمیان منعقد ہوئی اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی' متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت' اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے جو ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کاروائی کرنا چاہیئے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار' انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے' مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے' تاکہ اس اعلان کو موثر بنانے کے لئے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔[۵۰]

یکم جولائی ۱۹۷۴ء کو مولانا نورانی کی پیش کردہ قرار داد اور وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ کے پیش کردہ بل پر غور کرنے کے لئے قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ جس کی معاونت کے لئے ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں عبدالحفیظ پیرزادہ' کوثر نیازی' مولانا نورانی' مفتی محمود' پروفیسر عبدالغفور احمد' مولا بخش سومرو' غلام فاروق اور چودھری ظہور الٰہی شامل تھے۔ ۳۰ جون سے ۷ ستمبر تک' خصوصی کمیٹی کے بند کمرے میں متعدد اجلاس ہوئے۔ جس میں قرار داد اور حکومتی بل پر غور و غوض کیا گیا۔ اس دوران قادیانیوں کے ربوہ گروپ کی طرف سے مرزا ناصر احمد (۱۹۰۹ء-۱۹۸۲ء) اور لاہوری گروپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے مرزا صدر الدین اور مسعود بیگ نے اپنا اپنا موقف پیش کیا جب کہ ۳۰ جون کی قرار داد کے محرکین نے اپنا مشترکہ موقف کتابی صورت میں پیش کیا۔ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل اس موقف میں قرار داد کے ہر پہلو پر تاریخی اور علمی اعتبار سے وضاحت پیش کی گئی۔[۵۱] خصوصی کمیٹی میں مرزا ناصر احمد سے گیارہ دن اور لاہوری گروپ کے نمائندوں سے دو دن تک، اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار نے مفصل جرح کی۔ جس کے دوران مرزا ناصر احمد نے اعتراف کیا کہ مرزا غلام احمد نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور جو لوگ اس دعویٰ کو سچا نہیں مانتے، وہ ان کے نزدیک کافر ہیں۔[۵۲] ۶ ستمبر کو یحیٰی بختیار نے بحث کو سمیٹنے کے بعد اپنا مفصل بیان دیا۔ جس میں انہوں نے مرزا غلام احمد کی تحریروں سے ثابت کیا کہ وہ مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں اور ان کے عقائد اسلام کے منافی ہیں۔ اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔[۵۳]

جیسے جیسے خصوصی کمیٹی کی کاروائی آگے بڑھتی جاتی تھی، مجلس عمل حکومت پر اپنا دباؤ بڑھاتی جاتی تھی۔ عوام میں بھی شدید بے چینی اور اضطراب تھا۔ ۱۴ جولائی کو راولپنڈی میں آل پاکستان مشائخ کانفرنس ہوئی۔ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے صدارت کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں مرتد کی شرعی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس نے پیر محمد کرم شاہ بھیروی کی پیش کردہ قرار داد منظور کی۔ جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔[۵۴] ۵ سے ۷ ستمبر تک رہبر کمیٹی اور وزیراعظم بھٹو کے درمیان مذاکرات ہوتے رہے۔ ۶ اور ۷ ستمبر کی درمیانی رات کو فیصلہ ہوا کہ قرار داد ۷ ستمبر کو منظور کر لی جائے گی۔[۵۵] چنانچہ ۷ ستمبر کو خصوصی کمیٹی کے اجلاس میں وزیر قانون نے مندرجہ ذیل آئینی سفارشات پیش کیں تاکہ ان کو غور اور حتمی منظوری کے لئے قومی اسمبلی میں بھیجا جائے۔

(الف) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف کی جائے۔ مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لئے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۳) کی تصریحات کی مطابق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے، وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہو گا۔

(ج) کو متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتجہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(ہ) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، کے جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔[56]

ان آئینی سفارشات کی بنیاد پر مندرجہ ذیل ترمیمی بل پیش کیا گیا۔ جسے خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

ہر گاہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے۔

لہٰذا بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

۱ - مختصر عنوان اور آغاز نفاذ- (۱) یہ ایکٹ، آئین (ترمیم دوم) ایکٹ، ۱۹۷۴ء کہلائے گا- (۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہو گا۔

۲ - آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم- اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں، جسے بعد ازاں آئین کہا جائے گا- دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین "اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)" درج کئے جائیں گے۔

۳ - آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم - آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی- یعنی:

"(۳) جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔

بیان اغراض و وجوہ

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔[۵۷]

بعد ازاں قومی اسمبلی نے اس ترمیمی بل کو The Constitution (Second Amendment) Bill, 1974 کے عنوان کے تحت منظور کر لیا اور اسی شام سینیٹ آف پاکستان نے بھی بل کی منظوری دے کر، نوے سالہ مسئلے کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا۔ پارلیمنٹ کے اس متفقہ فیصلے کو ملک کی تمام دینی جماعتوں نے بے حد سراہا اور اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ علمائے اہل سنت و جماعت نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ "وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اللہ تعالیٰ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کر لی ہے۔" ان علمائے کرام میں خواجہ محمد قمرالدین سیالوی، مولانا نورانی، پیر محمد کرم شاہ، قاضی محمد اسرار الحق حقانی (م - ۱۹۹۶ء)، مولانا محمد حسن حقانی، ملک محمد اکبر خان ساقی (۱۹۴۴ء - ۱۹۹۲ء) اور ظہور الحسن بھوپالی (۱۹۴۶ء - ۱۹۸۲ء) شامل تھے۔[۵۸] تاہم دینی جماعتیں اس ترمیمی بل کو بھی ناکافی قرار دیتی رہیں۔ ان کا مطالبہ رہا کہ اس بل کی روشنی میں مناسب قانون سازی بھی کی جائے۔[۵۹]

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے علمائے کرام اور دینی جماعتوں کی آئینی جدوجہد کی تاریخ بہت طویل اور صبر آزما رہی ہے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کی تشکیل، اس طویل جدوجہد کی پہلی کامیابی تھی۔ لیکن اکتوبر ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے اس کامیابی کو زیادہ دیر تک قائم نہ رہنے دیا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین میں اگرچہ چند دفعات، قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کی گئیں تھیں۔ تاہم علمائے کرام کے نزدیک یہ دفعات ناقص اور ناکافی تھیں۔ ۱۹۷۳ء کا آئین، متفقہ طور پر تشکیل دیا جانے والا آئین تھا۔ اس میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا تھا۔ "مسلمان" کی تعریف پہلی دفعہ آئین میں شامل کی گئی تھی اور اسے حکومت کے تمام کلیدی عہدوں کے حلف ناموں میں شامل کیا گیا تھا۔ ایک بااختیار اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کی گئی تھی۔ جس کے ذمہ تمام دستوری اور پارلیمانی معاملات کا اسلام کی روشنی میں حل تلاش کرنا تھا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ آئین میں دوسری ترمیم کر کے منکرین ختم نبوت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام اسلامی دفعات' علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے مسلسل مطالبے' جدوجہد اور حکومت کی رضا مندی کی مرہون منت تھیں۔ اسی لئے علمائے کرام کے نزدیک' جن مسلم ممالک میں دستور مدون شکل میں موجود ہے' ان کے دساتیر کے مقابلے میں پاکستان کا ۱۹۷۳ء کا آئین دینی اعتبار سے' سب سے زیادہ امید افزا اور خوشگوار امتیاز رکھتا ہے۔[۶۰]

حوالہ جات

۱۔ محمد احمد قادری' روئداد مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان' لاہور' ۱۹۴۹ء' ۱۶ - ۱۸

۲۔ Sayyid A.S. Pirzada, "The Role of Deobandi Ulema in Pakistan's Politics: 1947 _ 1956," South Asian Studies, (July 1990), 72-73

۳۔ غلام معین الدین نعیمی' پاکستان میں مکمل اسلامی آئین نافذ کرنے کی دعوت' لاہور' ۱۹۷۰ء' ۱۵

۴۔ Leonard Binder, Religion and Politics in Pakistan, Berkeley, 1963, 290

۵۔ ماہ طیبہ (کوٹلی لوہاراں' سیالکوٹ)' فروری ۱۹۵۳ء' ۳۳

۶۔ رضوان' لاہور ۷ - ۱۴ اپریل ۱۹۵۵ء' ۱۸

۷۔ Sayyid A.S. 75

۸۔ احمد سعید کاظمی' مقالات کاظمی' جلد دوم' ساہیوال' ۱۹۷۸ء' ۱۷ - ۱۸

۹۔ غلام معین الدین نعیمی (مرتب)' مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان کی سالانہ تبلیغی و تنظیمی آل پاکستان سنی کانفرنس کی رپورٹ' لاہور' ۱۹۵۶ء' ۳۷

۱۰۔ غلام معین الدین نعیمی' ترمیمات و اصلاحات بر مسودہ دستور پاکستان ۱۹۵۶ء' لاہور' ۱۹۵۶ء' ۱ - ۸

۱۱۔ M. Rafique Afzal, Political Parties in Pakistan, 1947 - 1958, (Islamabad: N.I.H.C.R., 1976), 190 - 191

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲- غلام معین الدین نعیمی (مرتب)' مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان کی چھٹی سالانہ آل پاکستان سنی کانفرنس' لاہور' ۱۹۵۷ء' ۱۴ - ۱۵

۱۳- سید عبدالصمد پیرزادہ' "قومی سیاست میں جمعیت علمائے اسلام پاکستان کا کردار (۱۹۵۶ء - ۱۹۶۹ء)"' مجلہ تاریخ و ثقافت پاکستان' اکتوبر ۱۹۹۱ء' ۷۸ - ۷۹

۱۴- ماہنامہ السعید' ملتان' جولائی ۱۹۶۰ء' ۳۸ - ۳۹

۱۵- عبدالصمد پیرزادہ' ۸۲-۸۳

۱۶- ایضاً' ۸۴

۱۷- مشرق' لاہور' ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء

۱۸- ایضاً' ۱۹ اگست ۱۹۷۰ء

۱۹- ابتدائی نتائج کے مطابق جمعیت علماء پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام نے سات سات' جبکہ جماعت اسلامی پاکستان نے چار نشستیں حاصل کیں- تاہم ۱۲ مئی ۱۹۷۵ء کو الیکشن ٹربیونل نے حلقہ این ڈبلیو - ۱۳۱ کراچی - ۴ سے مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (۱۹۲۹ء - ۱۹۸۴ء) کی رٹ منظور کرتے ہوئے' جماعت اسلامی کے محمود اعظم فاروقی کی رکنیت قومی اسمبلی ختم کر دی- اس طرح جمعیت علماء پاکستان کی آٹھ اور جماعت اسلامی کی تین نشستیں ہو گئیں- مشرق' لاہور' ۱۳ مئی ۱۹۷۵ء

۲۰- ایضاً' یکم جنوری ۱۹۷۱ء

۲۱- جاوداں' لاہور' ۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء

۲۲- Pakistan Times, Rawalpindi, January 1, 1972

۲۳- نوائے وقت' راولپنڈی' ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء

۲۴- احمد حسین کمال' عہد ساز قیادت' ملتان' ت- ن' ۱۸۵- ۱۸۶

۲۵- National Assembly of Pakistan Debates, Vol. 1, No. 1, (April 14, 1972), 70 - 73, (Hereafter cited as NAPD)

۲۶- Ibid, Vol. 1, No, 2, April 15, 1972, 123 - 124

۲۷- Ibid, 207 - 211

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۸۔ شمس القمر قاسمی (مرتبہ)' اذان سحر' کوئٹہ' ۱۹۸۷ء' ۱۰۷-۱۱۰

۲۹۔ Ibid, 138

۳۰۔ Ibid, 147

۳۱۔ Ibid, Vol.1, No.3, April 17, 1972, 355

۳۲۔ شعبہ نشر و اشاعت جمعیت العلماء پاکستان کراچی' اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مستقل دستور میں مسلمان کی تعریف کس طرح شامل ہوئی؟' کراچی' س - ن' ۱۱ (بعد ازاں مسلمان کی تعریف)

۳۳۔ محمد صدیق خان قادری' جمعیت اپنے قیام سے اب تک' لائل پور' ۱۹۷۴ء' ۶

۳۴۔ امروز' لاہور' ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء

۳۵۔ Pakistan Times, Rawalpindi, December 13, 1972

۳۶۔ ساحل' کراچی' اکتوبر ۱۹۹۰ء' ۵۵

۳۷۔ جاوید احمد صدیقی (مرتب)' نورانی سیاست' کراچی' ۱۹۸۸ء' ۱۸ - ۱۹

۳۸۔ ایضاً' ۱۹ - ۲۱

۳۹۔ جنگ' کراچی' ۴ مارچ ۱۹۷۳ء

۴۰۔ ضیائے حرم' لاہور' اپریل ۱۹۷۳ء' ۱۱ - ۱۵

۴۱۔ الجامعہ' جھنگ' جون ۱۹۷۳ء ۵ - ۶

۴۲۔ Pakistan Times, Lahore, March 15, 1973

۴۳۔ Satish Kumar, The New Pakistan, (Lahore, 1978,) 42 _ 45

۴۴۔ مسلمان کی تعریف' ۱۰

۴۵۔ ایضاً' ۱۱

۴۶۔ شاہ فرید الحق' قادیانیت پر آخری ضرب' کراچی' س - ن' ۹ - ۱۰

۴۷۔ جنگ' لاہور' ۹ ستمبر ۱۹۹۵ء

۴۸۔ نوائے وقت' لاہور' ۱۷ جون ۱۹۷۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۹۔ شاہ فرید الحق، ۱۳

۵۰۔ NAPD, Vol. IV, No. 26, (June 30,) 1974, 1306

۵۱۔ اراکین قومی اسمبلی پاکستان، ملت اسلامیہ کا موقف، مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق قومی اسمبلی پاکستان میں زیر غور قرار داد نمبر ۲ کی تشریحات، راولپنڈی، ۱۹۷۴ء

۵۲۔ جنگ، لاہور، ۹ ستمبر ۱۹۹۵ء

۵۳۔ ایضاً۔

۵۴۔ نوائے وقت، راولپنڈی، ۱۴ جولائی ۱۹۷۴ء

۵۵۔ شاہ فرید الحق، ۲۲

۵۶۔ NAPD, Vol. V, No. 39, September 7, 1974, 506

۵۷۔ Ibid, 560 - 561

۵۸۔ جنگ، لاہور، ۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء

۵۹۔ دینی جماعتوں کے اس مطالبے کو ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو اس وقت پذیرائی ملی جب، امتناع قادیانیت آرڈیننس ۱۹۸۴ء کا اجراء ہوا اور قادیانیوں کو اسلامی شعائر کا استعمال "لفظاً" اور "حرفاً" کرنے سے روک دیا گیا۔

۶۰۔ جنگ، راولپنڈی، ۱۴ اگست ۱۹۹۶ء

© rasailojaraid.com